کثرت ازواج۔ بیواؤں سے نکاح کی اجازت

محصنات (اہل ایمان اور اہل کتاب کی آزاد خاندانوں کی شریف زادیاں)، ملازم، جنگ میں قیدی بننے یا ہجرت کر کے آنے والی وہ عورتیں جو کافر کے نکاح میں ہیں لیکن خود مومن ہیں کے علاوہ نکاح کے متعلق یہ اجازت بھی دی گئی ہے:

وَءَاتُواْ ٱلۡيَتَـٰمَىٰٓ أَمۡوَٲلَهُمۡ‌ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُواْ ٱلۡخَبِيثَ بِٱلطَّيِّبِ‌ۖ وَلَا تَأۡكُلُوٓاْ
أَمۡوَٲلَهُمۡ إِلَىٰٓ أَمۡوَٲلِكُمۡ‌ۚ إِنَّهُ ۥ كَانَ حُوبً۬ا كَبِيرً۬ا ﴿٢﴾ وَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا تُقۡسِطُواْ
فِى ٱلۡيَتَـٰمَىٰ فَٱنكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثۡنَىٰ وَثُلَـٰثَ وَرُبَـٰعَ‌ۖ فَإِنۡ
خِفۡتُمۡ أَلَّا تَعۡدِلُواْ فَوَٲحِدَةً أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَـٰنُكُمۡ‌ۚ ذَٲلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَلَّا تَعُولُواْ ﴿٣﴾

''یتیموں کے مال (بھرپور جوان ہونے پر) ان کو واپس دو، اپنے برے مال کو ان کے اچھے مال سے نہ بدل لو اور نہ ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھا جاؤ۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اگر تمہیں احتمال ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے تو (اس سبب ان کی ماؤں سے) نکاح کرا دو، جو تمہارے لئے خوش آئند، بھلی بات ہے، عورتوں میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے۔ لیکن اگر تمہیں (نکاح کرنے والوں کو) اندیشہ ہو کہ (اس طرح) ان کے ساتھ عدل نہیں کر سکو گے تو پھر (ان میں سے) ایک ہی بیوی کرو یا ان (غلام ملازم عورت، کفار کی منکوحہ مومن، مہاجر) عورتوں میں سے ایک کو نکاح میں لو جو تمہارے پاس ہیں۔
اس طرح تمہارے لئے (یتیموں، بیواؤں کے ساتھ) بے انصافی کرنے کے امکانات معدودم ہو جائیں گے'' (سورۃ النساء۔۲۔۳)

آیت مبارکہ کے الفاظ ایسی صورتحال کا اظہار کر رہے ہیں جو جنگ کے فوراً بعد کسی معاشرے کو درپیش ہوتی ہے۔ یتیموں کے تذکرے کے ساتھ قیدی رمہاجر بننے والی دشمن کی مومن عورتوں کا ذکر جنگ کے وقوع پذیر ہونے ہی کی نشاندہی کرتا ہے۔ معاشرے میں بچے یتیم تب بنتے ہیں جب سہاگنوں کے سہاگ اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں اور وہ بیوہ بنتی ہیں۔ لفظ یتیم لڑکے اور لڑکی کی تخصیص نہیں کرتا۔ ''اگر تمہیں یہ احتمال ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے'' کا مطلب کسی صورت یہ نہیں لیا جا سکتا کہ ''اگر تمہیں احتمال ہو کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے''۔ یہ عجیب بات ہوگی کہ معاشرے کو یتیم لڑکوں سے تو بے انصافی کا احتمال نہ ہو اور صرف یتیم لڑکیوں سے بے انصافی ہو جانے کا خوف لاحق رہے۔ جو لڑکا اور لڑکی باپ کی موت پر بلوغت نکاح کو نہ پہنچے ہو یتیم کہلاتی ہے اور اس وقت تک یتیم کہلاتی ہے جب تک نکاح کی عمر کو پہنچ کر نکاح نہیں کر لیتی۔ آیت ٦ میں حکم دیا گیا ہے کہ یتیم (لڑکے اور لڑکی) کو ان کے مال اس وقت واپس کرنے ہیں جب نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں جس کے بعد زندگی کے بارے میں فیصلے کرنے کے خود ذمہ دار ہیں۔ آیت

مبارکہ میں یتیم لڑکیوں سے شادی کرنے کیلئے نہیں کہا جارہا بلکہ اس احتمال کو محدود کرنے کے لئے کہ معاشرہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکے گا النساء یعنی بیوہ ہوجانے والی ماؤں میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے شادی کر لینے کی ترغیب اور اجازت دی جارہی ہے۔

کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ جس مقصود کو پانے کے لئے کسی کام کی اجازت دی جائے اگر وہ پیشِ نظر نہ ہو تو اس کام کی اجازت کالعدم قرار پائے گی؟ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا۟ فِى ٱلْيَتَـٰمَىٰ فَٱنكِحُوا۟ ۔ عربی زبان کا حرف ''اِن'' حرف شرط بھی ہے۔ ''اگر'' کے معنوں میں آتا ہے۔ خِفْتُمْ ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور اس کا مادہ ''خ و ف'' ہے۔ خوف کا تعلق مستقبل کے اندیشہ سے ہے۔ قرآئن سے مستقبل میں کسی ناپسندیدہ بات کا اندیشہ کرنا۔ اندیشہ کیا ہے؟

أَلَّا تُقْسِطُوا۟ فِى ٱلْيَتَـٰمَىٰ ''کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے''۔

اگر یہ اندیشہ ہو تو کیا کیا جائے؟ فَٱنكِحُوا۟۔

عربی زبان کا حرف ''ف'' دو باتوں کے مابین استعمال ہوتا ہے جب قبل والی بات بعد والی بات کا سبب ہو۔ اَنْكِحُوا۟ امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور معنی ''تم نکاح کردو، تم عقد کرادو''۔ ایک قانون کی کتاب کی اگر ایک شق یہ ہے ''اور اگر تمہیں خوف و اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے تو اس سبب سے نکاح کرادو'' تو آپ بتائیں کہ کیا آپ یا کسی عدالت کو کوئی جج اس شق سے یہ اخذ (interpret) کر سکتا ہے کہ قانون اور مقننہ نے یہ کہا ہے کہ ''ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرلو؟'' کہتے ہیں کہ ''جج اپنے فیصلوں کے ذریعے بولتے ہیں''۔ بڑی معنی خیز بات کسی نے کہہ دی۔ جج کی مجبوری ہے کہ اپنے فیصلوں کے ذریعے اپنے متعلق بھی سب کچھ بول، ظاہر (expose) کردیتے ہیں۔ آپ نے میرے سوال پر کیا فیصلہ دیا ہے؟

یتیموں کی ماؤں یعنی بیواؤں سے نکاح کرنے سے یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے کا امکان کیوں معدوم یا کم ہوجائے گا؟ اس لئے کہ یتیم کے ساتھ اس کی ماں کے رحم کے ذریعے ایک تعلق، رشتہ پیدا ہوجائے گا۔ عورت کی عظمت یہ ہے کہ تمام رشتوں کا تعین اس کے ''رحم'' کا مرہون منت ہے۔ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ''اور اللہ سے ڈرو جس کا اور ارحام کے رشتہ قرابت کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو'' (حوالہ النساء۔۱)۔ جہاں یہ بات بتائی گئی ہے اس سورۃ کا نام بھی النساء (عورت) ہے اور آیت بھی پہلی ہے جس میں عورت کی پہلی عظمت یہ بتائی ہے کہ جیسے لوگ سوال اور حق اللہ تعالیٰ کے حوالے سے مانگتے ہیں جو رحیم ہے اور سوال عورت کے ''رحم'' کے حوالے سے بھی کرتے ہیں۔ میرے آقا، آقائے نامدار ﷺ کی زبان عربی کی یہ عظمت ہے کہ اس نے عورتوں کے بطن کے ایک مقام کو ''أَرْحَامَ'' نام دیا جس کا مادہ ''ر ح م'' ہے، جس سے رحیم اور رحمت الفاظ بھی ہیں۔ رحمت وہ عطیہ ہے جو کسی کی ظاہر و باطن کی کو پورا کردے، عطیہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز بغیر قیمت، بے معاوضہ دی جائے۔

رحمت کے معنی کسی کو ڈھانپ لینے اور سامان حفاظت بہم پہنچانے کے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ، الرحمن نے عالمین کی تخلیق کی ابتدا فرمائی تو اَلرَّحْمَةَ رحمت، رحم وکرم کے شیوہ کو اپنے آپ پر لازم کرلیا كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ ٱلرَّحْمَةَ ''اس نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے'' (حوالہ الانعام ۱۲)۔ اور تخلیق کائنات کا سبب انسان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے عورت کے عفت مآب جسم کے جس حصے کو تخلیق انسان کے تسلسل کا امین بنایا اس کا اسم بھی الرَّحْمَةَ کے مادہ ر ح م' پر' أَرْحَام'' رکھا۔ سبحان اللہ! سچ ہے، ہم نے اللہ تعالیٰ کی وہ قدر نہیں کی جتنا اس کا حق ہے۔ یا رب! ہمیں معاف فرما۔ ہم نے تو عورت کی بھی وہ قدر نہیں کی جتنا اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ رحم میں نرمی ہوتی ہے اس لئے یہ لفظ سختی کے مقابلہ میں نرمی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے غصے اور افسوس سے مغلوب حالت میں اپنے بھائی ھارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کو پکڑ لیا تھا۔ عورت کے رحم کا حوالہ دلوں کو نرم کر دیتا ہے

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِيٓ

زکریا علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا'' اے میری ماں جائے! میری داڑھی نہ پکڑ اور نہ میرا سر'' (حوالہ طٰہٰ۔۹۴)

بیوہ سے نکاح کر کے اس سے حق زوجیت ادا کرلیا جائے تو اس عورت کے رحم سے مرد کا تعلق استوار ہو گیا اس لئے اس رحم سے اس کے پہلے خاوند کے نطفے سے پیدا ہوئی بیٹی، یتیم لڑکی (یتیم لڑکی جوان ہونے کے بعد بھی شادی ہونے تک یتیم ہی کہلاتی ہے) اس کیلئے بیٹی بن جاتی ہے اور حرام قرار پاتی ہے۔

وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِى فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ

''اور تمہاری گودوں میں پرورش پانے والی وہ جو تمہاری اُن بیویوں کی بیٹیاں ہیں جن سے تم حق زوجیت ادا کر چکے ہو۔

فَإِن لَّمْ تَكُونُواْ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

لیکن اگر ان سے حقوق زوجیت ادا نہ کئے ہوں (یعنی بن چھوئے طلاق دے دی ہو)

تو تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے (کہ ان کی بیٹیوں سے نکاح کرلو)'' (حوالہ النساء۔۲۳)

بیوہ سے نکاح کر کے حق زوجیت ادا کرلیا جائے تو اس کے رحم سے تعلق پیدا ہو جانے کی بناء پر اُس کی یتیم بچی کو 'باپ'' کی گود پھر سے میسر آجاتی ہے اور نکاح کیلئے بالغ بھی ہو تو بیٹی بن جاتی ہے۔ یہ عورت کے ''رحم'' کا تقدس ہے۔ سبحان اللہ! تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے

یتیموں کے مال انہیں واپس کرنے، اچھے مال کو برے مال سے نہ بدلنے اور اپنے مال کے ساتھ ملا کر ان کے مال کھا جانے سے منع کرنے کے بعد فرمایا'' اور اگر تمہیں احتمال ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گے تو (اس سبب ان کی ماؤں سے) نکاح کرا

دو، مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثْنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَ ''جو تمہارے لئے خوش آئند، بھلی بات ہے، عورتوں میں سے دودو، تین تین، چار چار سے'' (حوالہ النساء۔۳)۔ آپ بتائیں کہ کیا اس قدر سادہ اور واضح جملے کا مطلب اور مفہوم یہ لیا جاسکتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ ناانصافی کا احتمال ہو تو پھر دودو، تین تین، چار چار کنواری یتیم لڑکیوں سے شادی کرلو؟ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یتیم رہ جانے والے لڑکوں کو تو یتیم خانے میں داخل کردینا چاہئے اور یتیموں سے بے انصافی کے خدشے کو دور کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان میں سے دودو، تین تین، چار چار کنواری یتیموں سے نکاح کرلیا جائے تو پھر کیا ہم میں اتنا حوصلہ ہے کہ اسی بات کو اپنے اور معاشرے کیلئے فائدہ منداور خوش آئند، طیب، دلپسند بھی قرار دے سکیں؟ آیت مبارکہ میں یہ بات بھی لکھی ہے ''مَا طَابَ لَكُم''۔ مَا کے معنی جو اَلَّذِیْ (مفرد مذکر) کے معنوں میں اور حرف ''لَ'' یہ معنی پیدا کرتا ہے ''کسی کیلئے کسی چیز کا مخصوص ہونا''، ''فائدہ حاصل کرنے کیلئے'' اور كُمْ ضمیر منصوب متصل ہے جمع مذکر حاضر کیلئے آتی ہے۔ لَكم ''تمہارے لئے'' طَابَ ہے۔ طَابَ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اس کا مادہ ''ط ے ب'' ہے اور جناب راغب نے اس کے معنی وہ چیز بتائے ہیں جس سے حواس بھی لذت یاب ہوں اور نفس بھی۔ مرغوب، دلپسند، فرحت اور منفعت بخش چیز، بات۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ کیا ان الفاظ ''مَا طَابَ لَكُمْ'' کے معنی کسی صورت یہ لئے جاسکتے ہیں ''جو بھی تمہیں اچھی لگیں'' [ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب] ''جو عورتیں تمہیں خوش آئیں'' [ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ کنز الایمان فی ترجمة القرآن]۔ طیب کے معنی اور مفہوم یوں واضح فرمائے گئے ہیں: وَٱلْبَلَدُ ٱلطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُۥ بِإِذْنِ رَبِّهِۦ ''اور طیب بستی (زمین) اپنے رب کے حکم سے فصلیں پیدا کرتی ہے وَٱلَّذِى خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا اور جو ناقص (خبیث) ہوتی ہے وہ سوائے نکمی، بیکار چیزوں کے کچھ پیدا نہیں کرتی'' (حوالہ الاعراف۔۵۸)۔ طیب زمین سے فرحت اور منفعت بخش فصلیں پیدا ہوتی ہیں اور خبیث زمین سے بیکار شئے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

یتیموں کے مال، ان کی وراثت زمین، جائداد ہڑپ کرنے کے علاوہ ان کے ساتھ زیادتی، بے انصافی کا کیا کوئی اور تصور ذہن میں ابھرتا ہے؟ اس سے بھی واضح ہے کہ زیر مطالعہ آیت میں کمسن یا جوان کنواری یتیم لڑکیوں میں سے دودو تین تین چار چار سے شادی کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ بیواؤں اور یتیم بچوں کو معاشرے میں تحفظ و انصاف دینے کیلئے چار تک شادیاں کرنے کی اجازت بیواؤں کے ساتھ ہے۔ اور سورۃ النساء کی آیت ۱۲۷ سے بھی یہی عیاں ہے جس میں کہا گیا ہے ''يَتَٰمَى ٱلنِّسَآءِ جن کے مال (وراثت میں سے حق) تو تم ادا کرتے نہیں اور ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو''۔ اہمیت اور وزن اس بات پر ہے کہ یتیموں کے مال کو ہڑپ

کرنے کے حوالے سے جو فتور اور بد نیتی لوگوں کے ذہن میں پیدا ہو سکتی ہے اس کے امکان کو کم سے کم کیا جائے۔ جو شخص بالغ یتیم لڑکی کا حق وراثت ہی روک رہا ہو اور نکاح کی خود رغبت رکھتا ہو یا جس کا نکاح ہی نہ ہونے دے تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ زیر مطالعہ آیت میں چار چار یتیم بالغ لڑکیوں سے شادی کی اجازت اسے دے دی گئی ہے؟

معاشرے کے حالات کے جبر کے تحت ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کی اجازت دیتے ہوئے اللہ نے ارشاد فرمایا:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ فَوَٰحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَلَّا تَعُولُوا۟

''لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ اس طرح ان کے ساتھ (بھی) عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو
یا ان (غلام ملازم عورت، کفار کی منکوحہ مومن، مہاجر) عورتوں میں سے ایک کو نکاح میں لو جو تمہارے پاس ہیں۔
اس طرح تمہارے ایک طرف جھکنے، بے انصافی کرنے کا امکان کم ہوگا''۔

چار چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دیتے ہوئے حتمی فیصلہ ہر شخص کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا کہ اپنے معاشی اور جسمانی حالات کے پیش نظر اس نکتے کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کرے کہ ان کے مابین عدل بھی کر سکے گا۔ دوسروں سے آدمی بھلے جو چاہے جھوٹ سچ کہتا رہے لیکن اپنے بارے میں اس سے زیادہ منصف کوئی نہیں ہو سکتا جو فیصلہ کرے کہ کیا ایک سے زیادہ شادیاں کر کے بیویوں کے مابین (معاشی اور جسمانی طور پر) عدل کر سکے گا یا نہیں۔ ایک نکتے پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ آیت مبارکہ میں گنتی کے انداز میں دو، تین یا چار نہیں کہا گیا بلکہ دو دو، تین تین، چار چار کہا گیا ہے۔ یہ انداز بیان اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب ایک ہی طرح اور صفت کی چیزوں میں سے پسند کرنے یا چننے کی اجازت دی جا رہی ہو۔ اس انداز میں اجازت دینے سے یہ اظہار نہیں ہوتا کہ مختلف نوع اور اوصاف والی اشیاء میں سے چننے اور پسند کرنے کی صوابدید حاصل ہوگئی ہے۔ معاشرے کو بیواؤں یعنی یتیموں کی ماؤں میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرانے کی ترغیب اور چھوٹ صرف اس صورت میں دی جا رہی ہے کہ مقصود یتیم بچوں سے ناانصافی کے امکانات کو کم کرنا ہو اور اس اضافی شرط کے ساتھ کہ (دل کے میلان حب کے علاوہ) ان کے مابین بھی انصاف کو قائم رکھنا ہے اور اگر تمہارے اپنے اندازے میں ناانصافی کے امکانات موجود ہوں تو اس چھوٹ کو اپنے بارے میں کالعدم سمجھو اور صرف ایک بیوہ یا ایک جنگی قیدی مومن عورت سے شادی کر لو۔ اس آیت میں چار چار جنگی قیدی عورتوں سے شادی کی اجازت نہیں دی گئی۔ واحد کے ساتھ 'یا' کہہ کر جنگی قیدی عورت کا ذکر 'ایک عورت' ہی بنتا ہے۔ ویسے بھی جو شخص اپنے معاشرے کی چار خاندانی عورتوں کے مابین انصاف نہ کر سکتا ہو وہ کیونکر یہ گمان کر سکتا ہے کہ چار چار قیدی عورتوں سے شادی کر کے ان کے مابین عدل کر سکے گا؟

اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى اور اَلَّا تَعۡدِلُوۡا میں ''قسط'' اور ''عدل'' دونوں کے معنی ہم عموماً انصاف کرتے اور لکھتے ہیں عربی زبان کے مادہ 'ق س ط' اور 'ع د ل' ایک دوسرے سے منفرد معنی اور مفہوم کے حامل ہیں۔ ان دونوں کیلئے اردو/انگریزی کے الفاظ Justice/انصاف ان کی گہرائی اور لطیف فرق کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ ''قسط'' برابری (equality) کا متقاضی ہے۔ تولی، جانچی جانے والی شئے کو میزان کے دوسرے پلڑے میں رکھے ہوئے پیمانے کے برابر لازماً سیدھ میں آنا ہے۔ ان دونوں میں نفیس فرق کو سمجھنے اور محسوس کرنے کیلئے اس نکتے پر غور کریں کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کرنے کیلئے ''قسط'' استعمال ہوا ہے۔ یہاں ''قسط یعنی انصاف'' یتیموں کے مال و دولت، حقِ وراثت کے حوالے سے ہے۔ آپس میں برابر تقسیم کرنا چنانچہ قسطاس ترازو کو کہتے ہیں بلکہ سب سے زیادہ صحیح ترازو کو کہتے ہیں۔ سورۃ الرحمٰن کی آیت ۹ سے بالقسط کے معنی واضح ہیں

وَأَقِيمُواْ ٱلۡوَزۡنَ بِٱلۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُواْ ٱلۡمِيزَانَ ﴿٩﴾ ''اور وزن کو انصاف (بالکل برابر برابر) پر قائم کرو اور ترازو میں کمی نہ کرو''۔ سورۃ الانبیاء کی آیت ۴۷ سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ ''قسط'' کے معنی ایسی برابری کے ہیں کہ جس میں رائی برابر فرق نہ ہو۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۲ اور الاحزاب کی آیت ۵ میں ''اَقسطُ'' منصفانہ، زیادہ مناسب بات کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

لیکن ''عدل'' اس سے کہیں زیادہ نفیس، لطیف اور مشکل انصاف کا نام ہے۔ ''لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ دو دو، تین تین، چار چار بیویوں کے ساتھ عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو''۔ ایک سے زیادہ بیویوں کے مابین 'عدل' کرنا کس قدر مشکل ہے اللہ رب العزت نے کھول کر بتا دیا کہ یہ عام انسان کے بس کی بات نہیں۔

وَلَن تَسۡتَطِيعُوٓاْ أَن تَعۡدِلُواْ بَيۡنَ ٱلنِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ

''اور تمہارے بس میں نہیں کہ بیویوں کے مابین عدل کر سکو چاہے تم اس کی کتنی ہی خواہش کیوں نہ رکھتے ہو'' (حوالہ النساء ۱۲۹)

مَّا جَعَلَ ٱللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلۡبَيۡنِ فِى جَوۡفِهِۦ

''اللہ نے کسی مرد کے اندر دو دل نہیں بنائے'' (حوالہ الاحزاب ۴)۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کے خواہشمند مردوں کو بیویوں کے مابین کس قسم کا رویہ اور روش اپنانے کا کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو یہ بتانے کے بعد کہ بیویوں کے معاملے میں عدل کی اس معراج کو نہ چھو سکو گے فرمایا

فَلَا تَمِيلُواْ كُلَّ ٱلۡمَيۡلِ فَتَذَرُوهَا كَٱلۡمُعَلَّقَةِ

'' مگر پوری طرح ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ اسے (دوسری کو) لٹکی ہوئی شئے کی طرح چھوڑ دو'' (حوالہ النساء۔۱۲۹)

نصیحت لینے والوں کیلئے اس ایک جملے میں ہر بات کہہ دی گئی ہے۔ سبحان اللہ!

اس طرح واضح ہوا کہ ''قسط'' کے معنی کسی کے حقوق وواجبات کا بغیر کمی کئے پورا پورا ادا کرنا ہیں اور فریقین میں بغیر کسی ایک طرف جھکے، دشمنی، نفرت، محبت، قربت کے جذبوں کو بالائے طاق رکھ کر برابر سلوک اور انصاف کرنے کا نام عدل ہے۔ عدل کی راہ میں کیا چیز حائل ہوتی ہے؟ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں منع فرمایا'' فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا لہٰذا خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرو کہ عدل نہ کرسکو''۔ اور الْهَوَىٰ کیا ہے جو عدل کی راہ میں حائل ہوسکتی ہے؟ اس کا مادہ ''ھ و ی'' ہے۔ اوپر سے نیچے گرنا۔ چیز جو اوپر سے نیچے کی طرف گری۔ ہر خالی چیز کو کہتے ہیں بالخصوص زمین و آسمان کے درمیان خالی فضا کو، نیز بزدل کو بھی کہتے ہیں (تاج)۔ انسانی جذبہ اور خواہش کو کہتے ہیں۔ قرآنِ مجید انسانی جذبات وخواہشات کے خلاف نہیں لیکن دل کی میلی خواہشوں پر چلنا اور قرآنِ مجید سے ہٹ کر ظن وگمان کی باتوں اور خواہش نفس کی اتباع عدل کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

اللہ رب العزت نے ایک ایسی صورتحال کے تدارک کیلئے جس میں یتیموں اور بیواؤں کیلئے عدم تحفظ پیدا ہوجائے یا جنگ کے نتیجے میں ان کی کثرت ہوجائے تو معاشرے کو حکم دیا کہ ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار کی شادی لوگوں سے کرادو کہ یہ بات معاشرے کیلئے منفعت بخش، خوش آئند اور باعث پاکیزگی ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ دو دو، تین تین یا چار چار بیویوں کے مابین عدل نہیں کرسکے گے تو اس صورت میں صرف ایک سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ایک اچھائی کسی برائی کی قیمت پر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یتیم بچوں سے بے انصافی کے احتمال کو دور کرنے کی اچھائی کیلئے بیوہ عورتوں سے شادی کی اجازت اس قیمت پر نہیں دی جاسکتی کہ ان کی ماؤں کے ساتھ بے انصافی ہوجائے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ ہر کسی کے مفاد اور حقوق کا نگہبان ہے۔ حکم اور اجازت معاشرے کو دی گئی ہے۔ نکاح کے معاملے میں معاشرے کے افراد من مانی نہیں کرسکتے۔ معاشرے کے حالات کے مطابق حکومت وقت کا فرض ہے کہ ایک سے زیادہ شادی کرنے کے معاملے کو سدھارے، **regulate** کرے کہ تمام معاہدوں کے فریقین کے حقوق وفرائض کا تحفظ اور اختلاف کی صورت میں فیصلہ کرنا بھی حکومت کا کام ہوتا ہے، انفرادی حیثیت میں معاشرے کے افراد کا نہیں۔